فکر و نظر........... اسلام آباد جلد: ۴۷ شمارہ: ۲

اسلامی قانون سازی میں احوالِ واقعی کی رعایت

مصباح الرحمٰن یوسفی☆

Abstract

Islam is the way of life (*dīn*) revealed by the Creator for the guidance of mankind in all affairs of the individual as well as collective spheres of life, starting from its very inception with Adam (peace be on him). Its teachings have been continually revised and changed through revelation (*waḥy*) to the succeeding Prophets and Messengers (peace be on them all) to meet the changing needs of humans with the passage of time and the changing socio-political circumstances. The final version of Islam for the rest of time was revealed through the last and final Prophet and Messenger Muḥammad (peace be on him). This version, to meet the changing needs of humanity till the last day, contained along with permanent foundations and principles the mechanism of *ijtihād* to reinterpret the basics to formulate the new laws or reformulate the existing laws to meet the new challenges. Flexibility to adapt according to new socio-political as well as time-space situations, thus, becomes a salient feature of Islamic law and jurisprudence. This article, delving into the examples from the Qur'ān, the *Sunnah*, the *Sīrah* and the *Fiqh* literature, argues that consideration of the given situation regarding personal, environmental and socio-political circumstances is one of the major factors in the process of *ijtihād* and reformulation of the laws in Islamic Jurisprudence.

تعارف موضوع

معاشرے میں تبدیلی واقع ہونا ایک فطری امر ہے اور یہ تبدیلیاں کبھی معمولی اور جزئی ہوتی ہیں اور کبھی غیر معمولی اور ہمہ گیر۔ اسلام کے مکمل دین ہونے سے مراد یہ ہے کہ تغیر و تبدل کی جو صورت بھی ہو اور جس زمانے میں بھی ہو، اسلام ان سب حالات میں صحیح صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔

زمانے کی رفتار کو رد نہیں کرتا بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصلاح و تجدید سے کام لے کر زندگی کی نہج کو درست کردیا جائے۔(۱)

مسلمانوں کے زوال کے بعد سے ایک نیا دور وجود میں آیا ہے اور اس سے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں متزلزل ہوگئی ہیں۔ نیز معاشرہ کی تشکیل جدید نے مذہب اور زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔(۲)

اگر کسی معاشرے میں تبدیلی معمولی اور جزئی ہو تو اس کے لیے چند احکام و مسائل کے مواقع پر تبدیلی پیدا کردینے سے کام چل جاتا ہے ۔ لیکن اگر تبدیلی ہمہ گیر ہو تو اس معاشرے کو صحیح اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے اجتہادی عمل بھی جامع، ہمہ گیر اور کلی نوعیت کا درکار ہوتا ہے۔ پہلے جو کام ایک گوشے میں ہوا کرتا تھا اب اس کے لیے ایک وسیع دنیا وجود میں آگئی ہے۔ پہلے ایک فرد کی صلاحیت کافی ہوتی تھی، اب تقسیم کار (Division of Labour) کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ اسی طرح تجدید دین کی بات بھی اب معاشرے تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا تعلق ایک ''دور'' سے ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں جب تک ہمہ گیر پروگرام نہ ہو کسی ایک گوشے میں رہنمائی سے ملّت کی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔(۳)

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں یہ سوچنا کہ قرونِ اُولیٰ یا وسطیٰ کا وہی دور واپس لوٹ آئے جس میں اسلام کا وہ قانونی ذخیرہ مکمل رہنمائی کے فرائض انجام دیتا تھا جو آج بھی ہمارے پاس موجود ہے تو یہ غیر فطری ہو گا کیونکہ کوئی بھی دور جب ایک بار ختم ہو جاتا ہے تو اپنی اسی شکل و صورت میں لوٹ کر نہیں آتا۔ اس بناء پر یہ توقع مناسب نہیں ہے کہ سابقہ دور واپس لوٹ آئے گا اور اِس معاشرے میں اس دور کے معاشی، معاشرتی قوانین علی حالہ نافذ ہوں گے۔

معاشرے کا ارتقاء

ہم دیکھتے ہیں کہ جلب مصلحت اور دفع مضرت کی بہت سی نئی شکلیں وضع ہو چکی ہیں۔ معاشی اسکیموں اور فلاحی شعبوں کا جال بچھ چکا ہے۔ صنعت و حرفت کی جدید پیمانہ پر تنظیم و تنصیب ہوئی ہے اور تجارت کے نئے انداز متشکل ہو چکے ہیں۔

ملکی و معاشرتی قوانین میں اضافہ اور تبدیلی کی ضرورت

ہمارے ملکی و معاشرتی قوانین میں سے بعض قوانین ایسے بھی ہیں جنہیں نئے قالب میں ڈھالنے

کی اشد ضرورت ہے۔ نیز موجودہ دور کے کئی قوانین ایسے ہیں جو اسلامی ذخیرۂ قوانین میں شامل ہونے کے لائق ہیں اور بہت سے معاملات کے لیے نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے معمولی تغیر و تبدل سے کام نہیں چلے گا بلکہ فروعی نظام میں ترمیم و تنسیخ اور اضافے کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہوگا اور اصل نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب و تنظیم کا جامہ پہنانا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام مستقل اور جہدِ مسلسل کے بغیر انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل، پارلیمنٹ (قومی اسمبلی و سینٹ) وزارت قانون کی مشترکہ مساعی نیز بار کونسل، عدالتوں اور علماء کرام کی مشاورت کو منظّم ہونے کی ضرورت ہوگی۔

بنیادی قواعد میں نئے احوال و ظروف کی جگہ

ہدایت کے بنیادی قواعد میں ان تمام احوال و ظروف کو جگہ دی گئی ہے جو بعد میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ چنانچہ نزول ہدایت کے وقت عرب کا معاشرہ سادہ تھا، عقلی موشگافی اور تمدنی چکاچوند کو اس میں دخل نہ تھا۔ سادہ ذہن کے مطابق احکام شریعہ نہایت سادگی کے ساتھ عرب معاشرے کے جسم و بدن پر پورے آ گئے۔ لیکن بعد میں فتوحات کی کثرت سے کئی دیگر تمدن رکھنے والے ممالک اسلام کے زیرِ نگیں آئے۔ ان معاشروں کے عادات و معاملات مختلف تھے اور معاشی وسیاسی نظام میں بڑا تفاوت تھا۔

غرض مختلف معاشروں کے اختلاط سے ایک عجیب سی صورت پیدا ہوگئی اور ان کے ساتھ معاملات سے نئی نئی ضرورتیں ابھریں اور بہت سے نئے مسائل حل طلب قرار پائے۔ جس طرح قرون وسطیٰ کے فقہاء اور ماہرین قانون نے تمدن کی ترقی کے تقاضوں کو محسوس کیا اور ابتدائی دور کے احکام کی سادگی کو تمدن کی چاشنی دے کر ان کے دامن کو متنوع اور وسیع کیا، اسی طرح آج کے حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی اور صحابہ کرامؓ کے تعامل اور فقہاء کرام کے عملی و تحقیقی کارناموں سے مستفید ہوتے ہوئے اسلام کی عالمگیریت کو برقرار رکھنے میں ہم اپنا ضروری کردار ادا کریں۔

قرآن حکیم سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت

طریق نزول سے استدلال: قرآن حکیم یک بار نازل نہیں ہوا بلکہ ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت و مصلحت جستہ جستہ اور بتدریج نازل ہوا۔ جیسے جیسے ضرورتیں پیش آتی رہیں اور جس قسم کے مصالح کی رعایت ناگزیر ہوئی ان کی مناسبت سے احکام خداوندی کا نزول ہوتا رہا۔ اسی طریق نزول

سے ایک طرف حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف زندگی اور قانون میں باہمی ربط کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ اسی طریق نزول کی حکمت کی جانب حضرت عائشہؓ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے:

انما انزل اول ما نزل سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا تاب الناس الى الاسلام نزل الحلال والحرام ولونزل اول مانزل لا تشربوا الخمر لقالوا لاندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لاندع الزنا ابداً (۴)

''سب سے پہلے وہ بڑی اور تفصیلی سورتیں نازل ہوئیں' جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے' یہاں تک کہ لوگ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے پہل ہی یہ کہہ دیا جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم تو بالکل نہیں چھوڑیں گے اور اگر کہہ دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم تو زنا بالکل نہیں چھوڑیں گے''۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول نسخ (مانسخ من اية......) کے ذریعے سے احکام کے موقع و محل کے تعین کی اجازت دی گئی ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کا سامان ہیں۔(۵)

موقع و محل کی تعیین ہی سے قانون و زندگی کا رشتہ باقی ہے

انفرادی و اجتماعی زندگی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے احکام شرعیہ کے موقع محل کے تعین کی ہروقت ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعیین نہ کی جائے تو اکثر حالات میں بیشتر احکام ناممکن العمل قرار پائیں گے یا ان کا کوئی محل باقی نہیں رہے گا اور بالآخر قانون و زندگی کا باہمی رشتہ منقطع ہو جائے گا۔(۶)

احکام کے اندازِ بیان سے استدلال

قرآن پاک نے احکام کے بیان کے لیے جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے اس سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً بعض احکام میں صرف مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کی شکل و صورت متعین نہیں کی گئی اور بعض میں صرف احکام کے اطراف و اکناف بیان کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے احکام میں مختصر سی اصولی و عمومی گفتگو یا اشارات دیے گئے ہیں اور جزئیات کی تشریح نہیں ہے اور بعض جگہ جزئیات کی تشریح کے باوجود موقع و محل کی تعیین کی اجازت

دی گئی ہے۔ فقہاء نے اسی صورت حال کو دیکھ کر کہا ہے:

ان اللہ انزل من الاحکام مایصلح لکل زمان و مکان فمنھا مانصّ علیہ نصا صریحا ومنھا قواعد عامۃ یمکن تطبیقھا حسب ظروف الناس و احوالھم.(۷)

''اللہ تعالیٰ نے ایسے احکام نازل فرمائے ہیں جو ہر زمان و مکان کے لیے مناسبت رکھتے ہیں، ان میں سے کچھ تو صراحتاً منصوص ہیں اور کچھ عمومی قواعد و ضوابط ہیں جن کی تطبیق لوگوں کے احوال و ظروف کے مطابق ہوتی ہے''۔

انداز بیان سے احکام میں حالت و زمانہ کی رعایت کی چند مثالیں

ا:مالیات کی تنظیم و تقسیم

قرآن مجید نے اس کی کوئی خاص شکل و صورت متعین نہیں کی، صرف مقصد پر زور دیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو رزق حلال میسر ہو اور بدلے ہوئے حالات اور زمانہ کی رعایت کے موجب عدل و انصاف کے ساتھ اس کی حاجتیں پوری ہوتی رہیں۔

خرچ کرنے کا ایک عمومی حکم فرمایا:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾(۸)

''اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے''۔

تقسیم دولت کا مقصد یہ بتایا کہ:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾(۹)

''تاکہ دولت تمہارے مال داروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾(۱۰)

''پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو''

جواب کا یہ تنوع معاشرتی ضروریات کے لحاظ سے تقسیم و تنظیم مالیات کی حدود میں فرق کو واضح کرتا ہے اور ''العفو'' سے اس حد تک ثبوت ملتا ہے کہ حالات کے زیادہ دباؤ کے وقت ضرورت سے زائد اموال میں کوئی حق نہیں رہتا۔ ان آیات کے علاوہ بھی انفاق کی تاکید ملتی ہے لیکن مقدار اور تقسیم کی نوعیت سے کوئی بحث نہیں کی گئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں احکام، حالات

و زمانہ کی رعایت سے بدلتے رہتے ہیں۔

۲۔ حکومت کی شکل متعین نہیں

قرآن مجید نے حکومت کی کوئی خاص شکل و صورت معین نہیں کی بلکہ حیثیت، مقصد اور بنیادی اصول کا ذکر کر دیا ہے جس سے بہت سی باتیں اور ہدایات اخذ کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً حکومت میں اللہ کا اقتدار ''امر'' ہو گا۔ اختیارات امانت ہوں گے، نظامِ حکومت مشاورت سے چلے گا اور عدل ورحمت کے قوانین تمام مخلوق کے لیے یکساں ہوں گے۔

۳۔ تنظیم و تقسیم کے قوانین میں اللہ ہی کی حکمت عملی کا انعکاس

ذرائع و وسائل سب کے لیے مہیا ہوں گے اور مقررہ نظم و عدل کے ساتھ سب مستفید ہو سکیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بارانِ رحمت عام ہوتی ہے اور ہر شے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مستفید ہوتی ہے۔

۴۔ ہر چیز بطور امانت

کائنات کی ہر چیز بطور امانت استعمال کے لیے ہو گی اور ہر فرد کی حیثیت ''امین'' کی ہو گی حتیٰ کہ حکومت خود ایک امانت ہو گی جو دوسری تمام امانتوں کی نگرانی کرے گی۔ جیسا کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں کہا گیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۱۱)

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

۵۔ شورائی طرزِ حکومت

حکومت شورائی طرز کی ہو گی اور مسلمانوں میں سے اہل حل و عقد کے مشورہ سے نظم ونسق پر مامور ہو گی:

﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾(۱۲)

''اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں''

۶۔ مساوات کا سبق

مملکت کے تمام افراد بلاتخصیص حقوق میں مساوی ہوں گے۔ ذات پات، رنگ و نسل، زبان، وطن، مذہب و ملت کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں ہو گا۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم(۱۳) ہی واحد معیار تکریم و تعظیم ہو گا۔

۷۔ یکساں مواقع کی فراہمی

کائنات کی تمام چیزیں سب کے لیے ہیں اور استحقاق و استفادہ میں سب مساوی ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾(۱۴)

''وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں''۔

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾(۱۵)

''اور اس (زمین) میں معیشت کے اسباب فراہم کیے تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو''۔

۸۔ منصفانہ اور بلاامتیاز فراہمی وسائل

حکومت ذرائع پیداوار کی اس طرح تقسیم و تنظیم پر مامور ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفتِ رزاقی کی مظہر ہے، چنانچہ لینے اور دینے کے پیمانے میں تخصیص و ترجیح کی صورت نہ پیداہونے پائے۔

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾(۱۶)

''زمین پر چلنے والا کوئی جان دار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو''۔

۹۔ غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل صلح و امن

غیر مسلموں سے جنگ اور ارتداد کی سزا وغیرہ ان کے ظلم و زیادتی اور بغاوت کی بناء پر ہے نہ کہ کفر و شرک اور اختلاف مذہب کی بناء پر!

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾(۱۷)

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں''۔

اور

﴿فَإِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾(۱۸)

''یعنی اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو''۔

اور اس کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ حکومت مقصد نہیں

اہل اسلام کے لیے حکومت مقصد نہیں ہے بلکہ وعدۂ الٰہی پورا کرنے کا ذریعہ ہے، ایمان و عمل صالح کے نتیجے میں وعدۂ الٰہی یہ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾(۱۹)

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے''۔

غرض حکومت کے لیے قرآن مجید میں اس قسم کے اشارات ملتے ہیں، مگر طریقِ کار اور ذرائع وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ آیا موجودہ طرز کی طرح جمہوری ہو، صدارتی ہو، بادشاہت ہو یا ڈکٹیٹر شپ ہو، اسی طرح انتخابات کی کیا شکل ہو اور شورائی نظام کس طرح نافذ کیا جائے۔ قرآن حکیم کو اصل بحث مقصد اور بنیادی اصول سے ہے جن کی ہر دور میں ضرورت رہتی ہے، ذرائع اور طریق وغیرہ چونکہ حالت و زمانہ کی رعایت سے بدلتے رہتے ہیں۔ اس بناء پر ان کو حالات و زمانہ پر چھوڑ دینا ہی مناسب تھا بالفرض اگر زمانۂ نزول میں کسی ایک طریقہ اور ذریعہ کی نشاندہی کر دی جاتی تو بعد میں حالات کی بناء پر تبدیلی ناگزیر ہوتی۔

۱۱۔ تنظیم و تقسیم میں حکومت کے اختیارات پر حدبندی نہیں

قرآن نے اسراف اور فضول خرچی سے روکا ہے اور لوگوں کو عدل و اعتدال کی زندگی پر ابھارا ہے۔ حکومت کو حق ہے کہ ان توجیہات سے وہ حد بندی کا نتیجہ نکالے نیز سرمایہ کو پھیلانے اور مالداروں سے مال حاصل کرنے کے لیے مصالح عامہ کے پیش نظر حسب صوابدید مختلف طریق اپنائے۔ زبردستی اسباب فروخت کرنے کا حکم نافذ کرے۔ بے خانماں اشخاص کو جبراً مکان دلوانے کی اجازت ہے۔ مزدور سے مناسب اجرت پر جبراً کام لینے کی وسعت ہے۔ اگر کسی کو کپڑے اور مکان کی ضرورت ہو تو جس کے پاس موجود ہو اسے دینا واجب ہے۔ کھانا کپڑا اور مکان وغیرہ انسان کی ایسی

ضرورتیں ہیں کہ جن میں سب مشترک ہیں اور ان کی فراہمی کے لیے حکومت ہر قسم کے قوانین نافذ کرنے کی مجاز ہے۔ اسی طرح اراضی میں حکومت کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: لنارقاب الارض (زمینیں ہماری یعنی حکومت کی ہیں)۔ حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند نہیں ہے۔ بلکہ مفادِ عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور انفرادی و اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے، جیسا کہ امام ابویوسفؒ کتاب الخراج میں کہتے ہیں:

"وارجو ان یکون ذالك موسعاعلیه فكیف ماشاء من ذالك فعل"(۲۰)

"اس معاملے میں فراخی موجود ہے، جیسے چاہے اس بارے میں کر گزرے"۔

۱۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کوئی متعین و مخصوص شکل نہیں

قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے فریضہ کی بھی، جس کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کو "خیر اُمت" بنا کر برپا کیا گیا اور جس کے لیے ایک جماعت کے وجود کو لازم قرار دیا گیا(۲۱)، کوئی متعین شکل نہیں جس کی بناء پر علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں کیفیت کی حد مقرر نہیں کی گئی کہ کسی خاص طریقے سے اس فریضہ کی ادائیگی کی جائے۔ مثلاً ابتداء میں صرف انہی باتوں کی دعوت دی گئی جو بنیادی تھیں۔ نیز قدر مشترک پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔ کسی ایسی چیز سے تعرض نہیں کیا گیا جو زیادہ اہم نہ تھی لیکن قومی نوعیت کی وجہ سے عمومی نفرت کا اندیشہ تھا۔ علاوہ ازیں ان باتوں سے اغماض برتا گیا جن سے انتشار و افتراق کا اندیشہ تھا۔ بہت سی مباح اور جائز باتوں سے روک دیا گیا جن کی وجہ سے برائی تک پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ نیز غلامی وغیرہ کی منسوخی میں نرمی اور سہولت سے کام لیا گیا جس سے سماجی زندگی مختل ہونے کا اندیشہ تھا۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں شریعت میں مصلحت و ضرورت کا لحاظ کے موضوع پر ایک مکمل باب رقم کیا ہے۔ یہ پوری بحث نو فصلوں پر مشتمل ہے جو "اعلام الموقعین" کی جلد ۳ میں صفحہ ۱۷ سے شروع ہوتی ہے۔ آپ نے سیرت نبویؐ سے حالات و زمانہ کی رعایت کی جو مثالیں دی ہیں ان میں منکر کو مٹانے میں حالات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی پالیسی مثلاً امراء و حکام کے خلاف بغاوت کی حوصلہ شکنی شامل ہے، نیز یہ فرمایا کہ:

"من رأی من امیرہ مایکرهه فلیصبر ولاینزعن یدا من طاعة"

"یعنی جس کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اس کو صبر سے کام لینا چاہیے اور اس کی اطاعت سے دستبردار نہ ہو"۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض مسلمانوں کی مصلحت اور ان کے حالات کی رعایت کی بناء پر کیفیت کے بیان کو چھوڑا گیا ہے۔

۱۳۔ شریعت کی راہ اعتدال

شریعت اسلامیہ میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال، توازن اور ہم آہنگی رہے ورنہ افراط و تفریط کی صورت میں ایک طرف غلو اور تقشّف کی زندگی نمودار ہو گی تو دوسری طرف آزادی و بے راہ روی کی زندگی کو فروغ حاصل ہو گا اور یہ دونوں ہی راستے شریعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۱۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور سزاؤں میں توازن

قرآن حکیم نے اصلاح معاشرہ کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تاکید پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ جرائم کی روک تھام اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے سزاؤں کا حکم بھی دیا ہے لیکن اس نے حسب معمول یہاں بھی اصولی اور کلی روش اختیار کی ہے جس سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن میں جن جرائم کی سزاؤں کا حکم ملا ہے اس میں زنا، چوری، تہمت، ڈاکہ، بغاوت اور قتل کی سزا شامل ہے۔ یہ حدود حقوق اللہ ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ مجرم کو کیفرکردار تک پہنچایا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے سے پورے معاشرے کو عبرت و تنبیہہ حاصل ہو۔ زنا کی وجہ سے برسرعام ایک بار کوڑے لگ جانا نہ معلوم کتنے زانیوں کے لیے تازیانۂ عبرت بنے گا اور کتنے نائٹ کلبوں کے ننگے ناچ گانے خود بخود ہی بند ہو جائیں گے۔

۱۵۔ سزاؤں کے نفاذ میں احتیاط کا حکم

چونکہ ان سزاؤں کا تعلق اللہ سے ہے اس بناء پر شریعت نے انتہائی احتیاط سے کام لینے کو کہا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’ کوئی صورت بھی بچاؤ کی نکل سکے تو اللہ کے بندوں سے حدود کو دور کرو۔‘‘ ترمذی کی روایت میں ہے کہ ’’جہاں تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو اور اگر بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکے تو اس کا راستہ چھوڑ دو‘‘۔ ’’امام (خلیفہ) کے لیے معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کر جانے سے بہتر ہے‘‘۔ ایک اور جگہ فرمایا: ’’شبہات سے حدود کو دفع کرو‘‘(۲۲) (یعنی شبہ کی صورت میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں)۔

شریعتِ اسلامیہ نے حالات اور زمانہ کی رعایت سے دو قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں:

۱۔ حدود ۲۔ تعزیرات

جس طرح حدود کا دائرہ حقوق اللہ ہونے کی بناء پر محدود ہے اسی طرح تعزیرات کا دائرہ حقوق العباد ہونے کی وجہ سے وسیع ہے۔ حتیٰ کہ مذکورہ جرائم کبیرہ میں بھی اگر کسی معقول وجہ سے حدود اللہ جاری نہ ہوسکے تو چونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہے اس بناء پر حکومت مختلف سزاؤں کے لیے قانو ن بنانے کی مجاز ہے۔

جرائمِ رئیسہ کے لیے بھی حالات و زمانہ کی رعایت سے تعزیری قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے اور ایسی عدالت کا قیام ضروری ہے جو ایسے مقدمات کی سماعت کرے جو محض اس بناء پر خارج کردیے گئے کہ ان کے لیے حدود کے درجہ کا ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکا یا گواہ حضرات معیار پر پورے نہیں اترے اور اگر یہ انتظام نہ کیا گیا بلکہ جرائم رئیسہ کی سزائیں صرف حدود ہی رکھی گئیں تو مذکورہ جرائم کی بہت سی شکلیں ایسی پائی جائیں گی جن میں کوئی سزا نہ ہوگی اور جرائم کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے گی۔(۲۳)

قوانین حدود اور ان کی سزاؤں کے ضمن میں قانون سازی کر کے موجودہ عدالتوں کی بھی رہنمائی کی جا سکتی ہے۔ اور ضرورت ہو تو مستقل عدالتیں بھی قائم کی جا سکتی ہیں۔

حالات و زمانہ کی رعایت سے مندرجہ ذیل سزائیں مقرر کی جاسکتی ہیں:

۱۔ ضابطہ کے مطابق شہادت نہ ہونے سے حد کا سقوط اور اس کی جگہ تعزیری سزاؤں کا مقرر کیا جانا
۲۔ فعل ومحل میں شبہ سے حد کا سقوط
۳۔ گواہوں کے فسق سے حد کا سقوط
۴۔ توبہ سے حد کا سقوط

غرض ایسی تمام صورتیں جن میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں، دوسری سزائیں ناگزیر ہوتی ہیں، وہ اصول یہ ہے:

"ولها ان تتصرف مع المجرمين فى نطاق المصلحة"(۲۴)

''حکومت وقت (اسلامی ریاست) کا مصلحت کے مطابق مجرموں سے معاملہ کرنا''۔

تعزیر میں حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں۔ تعزیر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ بھی حکومت کے سپرد ہے۔ جس قدر حالات بدلتے جارہے ہیں، اسی لحاظ سے جرائم کی رفتار میں

اضافہ ہوتا جاتا ہے اور جرائم میں تنوع پیدا ہوتا جارہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے اس سلسلہ میں کافی رہنمائی ملتی ہے، ان تمام نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے بہترین تعزیراتی قوانین وضع کیے جاسکتے ہیں۔

سیاست شرعیہ کے تحت قرآن حکیم کے چند فیصلے

قرآن حکیم کے درج ذیل احکام اگرچہ نصوص صریحہ ہیں لیکن ان کو سیاست شرعیہ کے تحت بھی شمار کیا جا سکتا ہے:

۱۔ بتوں اور دوسرے معبودوں کو اس لیے برا کہنے سے منع کیا گیا کہ مصلحت کے مقابلہ میں فساد غالب تھا۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾(۲۵)

''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں''۔

۲۔ عورتوں کو زور زور سے پاؤں مار کر چلنے سے منع فرمایا تاکہ زیور کی چھن چھن سے لوگوں کے خیالات میں خرابی اور انتشار پیدا نہ ہو۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ﴾(۲۶)

''وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں''۔

اس جگہ ایک جائز فعل کو محض فساد کے اندیشے سے روکا گیا ہے۔

۳۔ اسی طرح نوکر چاکر اور نابالغ لڑکوں کو گھر میں آنے کے لیے ان اوقات میں اجازت طلب کرنا ضروری قرار دیا گیا جو عموماً فراغت واستراحت کے ہوتے ہیں اور زوجین خلوت گزیں ہوتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ ....﴾(۲۷)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ وہ اجازت لے کر آئیں..........''

۴۔ صحابہؓ کو ''راعنا'' کہنے سے روکا گیا حالانکہ ان کی نیت میں کوئی خرابی نہ تھی۔

﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾(۲۸)

''راعنا'' کا لفظ نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو''۔ (دونوں کا مطلب ہے ہمارا خیال رکھو)

۵۔ حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کو تبلیغ حق کے لیے فرعون کے پاس بھیجتے وقت نرم لہجے میں گفتگو کرنے

کی تاکید کی گئی تاکہ سخت کلامی اُس کی نفرت کا سبب نہ بن جائے۔

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾(۲۹)

''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے''۔

سنت سے حالات و زمانہ کی رعایت میں چند مثالیں:

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ فرمایا: ''دو عورتوں کے ساتھ بچہ تھا اور وہ باہر نکلیں تو بھیڑیے نے حملہ کر کے ایک بچے کو چھین لیا۔ جو بچہ رہ گیا اس کے لیے دونوں جھگڑنے لگیں۔ ایک کہتی تھی یہ بچہ میرا ہے، دوسری کہتی تھی میرا ہے۔ جب معاملہ حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچا تو انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ پھر ان عورتوں کا گزر حضرت سلیمانؑ کے پاس ہوا تو انہوں نے معاملہ اور فیصلہ معلوم کیا اور کہا کہ چھری لاؤ تا کہ بچے کو دو حصّے کر کے ایک چھوٹی کو دے دوں اور دوسرا بڑی کو۔ یہ سن کر چھوٹی عورت نے کہا کہ کیا واقعی آپ دو حصّے کریں گے؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: ''بالکل'' اس پر چھوٹی نے کہا آپ ایسا نہ کریں۔ میں اپنا حصہ بھی بڑی کو دیتی ہوں۔ اس پر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ'' یہ بچہ تیرا ہے تو لے جا، بڑی کا نہیں ہے''۔

اس حدیث سے حاکم اور قاضی کے لیے یہ وسعتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ حق کا اقرار کرانے کے لیے حاکم کو گنجائش ہے کہ جس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ میں کروں گا یعنی غلط بات کہہ کر حق کا اقرار کرانا جائز ہے۔

۲۔ جب حاکم یا قاضی پر حق بات ظاہر ہو جائے تو محکوم علیہ کے اقرار کے خلاف بھی فیصلہ کرنا درست ہے۔

۳۔ حاکم کا قرائن اور شواہد کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔

۴۔ ایک حاکم کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑے حاکم کے فیصلہ کو توڑ کر اس کے خلاف فیصلہ دینا جائز اور درست ہے۔

۵۔ حاکم کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔(۳۰)

قسامہ سے استدلال

محلّہ میں قتل کا واقعہ ہو اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو ایسی صورت میں آپ ﷺ نے سیاست شرعیہ کے تحت پورے اہل محلّہ یا اہل قبیلہ کو ضامن قرار دیا اور ان سے مقررہ قاعدہ کے مطابق دیت وصول کرنے کا حکم دیا۔(۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فیصلے

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست شرعیہ کے تحت ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرمایا جو بلا عذر جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔

۲۔ زکوۃ نہ دینے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''بے شک ہم اس سے زکوۃ لیں گے اور اس کا آدھا مال بھی''۔

۳۔ آپؐ نے شراب کے برتنوں کو توڑنے اور ہانڈیوں کو پھوڑنے کا حکم دیا جن میں حرام گوشت پکایا گیا ہو۔

۴۔ شرابی کو تیسری یا چوتھی مرتبہ ارتکاب جرم کرنے پر قتل کا حکم دیا۔

۵۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی بعض شرارتوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو جلانے کا حکم دیا۔

۶۔ محض شک کی بناء پر بعض مجرموں کو سزا دی اور بعض کو قید کیا۔(۳۲)

۷۔ چوری کی بعض صورتوں میں جن میں قطع ید نہیں ہے، دوگنے تاوان کا حکم دیا اور کچھ کوڑے بھی لگائے۔

۸۔ ایک شخص اپنی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا' اس کے قتل کا حکم دیا پھر جب معلوم ہوا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیا۔(۳۳)

۹۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے قابل اعتراض دفعات کے باوجود معاہدہ کی تکمیل فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی سیاست کے فیصلے کس قدر جذبات سے ہٹ کر حقیقت شناسی اور دور رسی کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۰۔ جنگ کے ایام میں اہل مکہ کی امداد کی جبکہ وہ قحط کی صورت حال سے دوچار تھے۔

حالات و زمانہ کی رعایت سے احکام میں تبدیلی کی مثالیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حالات کے تحت حکم صادر فرمایا، پھر جب حالات تبدیل ہو گئے یا موافق ہو گئے تو حکم میں تبدیلی فرما دی۔

۱۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد بطور ذخیرہ کے رکھنے سے روک دیا گیا تھا تا کہ دیہات کے لوگ محروم نہ رہیں، پھر جب آپؐ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی اور فرمایا ''میں نے باہر کے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا۔ اب کھاؤ، خیرات کرو اور ذخیرہ کر کے رکھو''۔(۳۴)

۲۔ ایک مرتبہ سفر میں زادِ راہ کم ہو گیا اور لوگ مفلس ہو گئے۔ آپ ﷺ سے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی گئی۔ آپؐ نے ضرورت کے پیش نظر اجازت دے دی۔ پھر عمرؓ نے کہا کہ ''اونٹوں کے بعد یہ لوگ کیسے زندہ بچیں گے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت منسوخ کر کے فرمایا ''لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ زائد توشہ جمع کریں''۔ پھر دسترخوان بچھایا گیا اور لوگوں نے جمع شدہ توشہ دسترخوان پر رکھا۔

۳۔ آپؐ نے منافقین کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا تا کہ لوگوں کی نفرت نہ بڑھے اور یہ کہنے کا موقع ہاتھ نہ آئے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ آئے دن طرح طرح کے فتنہ و فساد پھیلاتے رہتے تھے، کیونکہ

"و مصلحة التاليف اعظم من مصلحة القتل"(۳۵)

''تالیف قلب کی مصلحت قتل کی مصلحت سے بڑی ہے''۔

جب یہ اندیشہ نہ رہا اور اسلام کے غلبہ سے تالیف قلب کی مصلحت پہلی جیسی نہ رہ گئی تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

۴۔ نہی عن المنکر کس قدر اہم حکم ہے جس کے لیے آپؐ نے فرمایا: ''من رای منکم منکراً'' لیکن جب کسی برائی پر روک ٹوک کرنے سے اُس سے زیادہ بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو روک ٹوک کرنا جائز نہیں۔

حکومت اور حکام کا برائی میں ملوث ہونا فتنہ کی جڑ ہے لیکن جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ان امیروں کی اطاعت سے باز رہنے کی اجازت چاہی جو دینی لحاظ سے ناپسندیدہ ہوں تو

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ'' اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ''من رای من امیرہ مایکرھہ فلیصبر''(۳۶) نہایت اہم ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ امیر و سلطان یا حکمران کے اندر فسق و فجور دیکھ کر اس کے خلاف خروج کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ چیز تمام فتنوں کی جڑ ہے اور اس سے قیامت تک کے لیے شر و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔(۳۷)

۵۔ زمانہ جنگ میں حدود قائم کرنے کی ممانعت: روایتوں میں حدود قائم کرنے کی بہت فضیلت اور تاکید ہے لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جنگ اور دشمنوں کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے وہ واقعہ خاص طور پر نقل کیا ہے جس میں ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتا ہے کہ ''مجھ پر حد جاری کی جائے میں حد کا مستحق ہو گیا ہوں''۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ''کیا تو نے ابھی ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی'' اس نے عرض کیا ''جی ہاں'' آپؐ نے فرمایا: ''جا اللہ نے تیرا قصور معاف کر دیا''۔ علامہ نے اس واقعہ کو نفاذ احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کے نظائر میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ کی قبیلہ بنی جریمہ کے ساتھ نامناسب کارروائی پر آپؐ کا صرف اتنا فرمانا کہ ''اے اللہ! جس فعل کا ارتکاب خالد نے کیا ہے میں تیرے حضور اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں''۔ آپؐ نے خالدؓ کی عمدہ صلاحیتوں، خدماتِ جلیلہ اور نصرتِ اسلام کا پاس کرتے ہوئے اس سے زیادہ کسی قسم کی گرفت نہیں فرمائی۔(۳۸)

۶۔ اراضی کے مختلف انتظامات: آپؐ نے مفتوح اراضی کے مختلف انتظامات کیے تھے۔ پہلے تمام اشیاء کو اللہ کی ملک قرار دیا، پھر مفاد عامہ کے پیش نظر غازیوں میں تقسیم کر دیا یا اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا، یہی دو صورتیں اس زمانہ میں قابل عمل تھیں۔ ہر شے کو اللہ کی ملکیت قرار دینا خود اموال کی تنظیم و تقسیم کے لیے ایک وسیع باب کھولتا ہے۔ اور حالات و زمانہ کی رعایت سے حکومت کو کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھا گیا۔

۷۔ سوالات کے مختلف جوابات اور دعوت و تبلیغ کی خاص روش سے استدلال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشخاص و حالات کے لحاظ سے سوالات کے مختلف جوابات دیے ہیں مثلاً کسی کے لیے نماز سب سے افضل قرار دی اور کسی کے لیے جہاد کو افضل قرار دیا اور کسی کو والدین کی خدمت کی تاکید کی۔ دعوت و تبلیغ میں آپؐ نے خاص طریقہ اپنایا۔

صحابہ کرامؓ کی زندگی سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے احکام کے موقع ومحل متعین کیے اور جن انتظامی احکام کا اضافہ کیا' ان سب کی گنجائش قرآن و سنت میں موجود تھی۔(۳۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جب خلافت کی بھاری ذمہ داری قبول کر لی تو اس وقت بدلتے حالات کے تقاضوں کے عین مطابق چند اہم اور سخت فیصلے کیے جن میں ا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد، ۲۔ ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ، ۳۔ صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول نہ کرنا، ۴۔ مدعیانِ نبوت کی سرکوبی میں جانفشانی اور شجاعت کا ثبوت، ۵۔ نظامِ خلافت کو وسیع کرنا، ۶۔ دادا کو باپ پر قیاس کر کے میراث میں دادا کو باپ جیسا قرار دینا، ۷۔ کلالہ کے بارے میں رائے، ۸۔ جمع قرآن کے سلسلہ میں جرأت کا مظاہرہ کرنا، ۹۔ بعض مرتدین کو آگ میں جلانے کا حکم، ۱۰۔ مرتدین میں سے بعض سے قتل و قتال کرنا، ۱۱۔ بعض کو قید کرنا، ۱۲۔ بعض کو معافی دینا، ۱۳۔ عملِ قوم لوط کے مرتکب کو آگ میں جلانے کا حکم دینا، ۱۴۔ شرابی کی سزا چالیس درے مقررکرنا، ۱۵۔ آپؓ کا دوسری شادی کے بعد بھی ماں کو بچہ کی پرورش کا حق دار ٹھہرانا، ۱۶۔ قطعیہ کا حکم نامہ منسوخ کرنا وغیرہ ایسے فیصلے ہیں جن میں بظاہر قرآن و سنت کی مخالفت معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً مخالفت نہیں ہے۔ آپؓ نے جتنے اجتہادات کیے ہیں قرآن و سنت کے اندر رہتے ہوئے کیے ہیں اور مجموعہ کو سامنے رکھ کر ہی احادیث و احکام کے موقع ومحل متعین کیے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے مختلف فیصلوں میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس و اجتہاد ان کی ''ماموریت'' کے نہایت اہم فریضے تھے جن کے اصول و ضوابط کی طرف عملاً اشارہ کر کے آپؓ نے اسلام کو زندہ جاوید بنایا اور حالات و زمانہ کی رعایت کر کے شریعت کو جمود سے محفوظ رکھا۔(۴۰)

حضرت عمرؓ کے قیاس و اجتہادات

جب حضرت عمرؓ کو موقع ملا تو فضا کافی سازگار تھی' فتنوں کو ختم کیا جا چکا تھا' بغاوت کو دبا دیا گیا تھا۔ مختلف معاملات و احکامات میں آپؓ نے جو فیصلے صادر فرمائے ان کی تفصیل لکھنا مشکل کام ہے۔ مولانا محمد تقی امینی نے اپنی کتاب ''احکام شریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت'' میں حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے سو مثالیں دی ہیں۔ البتہ ہم ان میں سے چند اہم فیصلے یہاں درج کریں گے۔

ا۔ حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی تا کہ مسلمان' بدکار عورتوں کے جال

میں نہ پھنس جائیں۔(۴۱)

۲۔ آپؓ کا مسلمانوں کو زمین و جائیداد رکھنے سے منع فرمانا کیونکہ لوگوں کے بال بچوں تک کے وظائف سرکاری خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ لہٰذا زمینیں' جائیدادیں رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

۳۔ ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا تا کہ لوگ طلاق میں تاخیر کو برقرار رکھیں۔(۴۲)

۴۔ شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کی تا کہ لوگ حد و عقوبت کو حقیر سمجھ کر دیدہ دلیری پر نہ اتر آئیں۔(۴۳)

۵۔ ایک موقع پر چوری میں مال کی دگنی قیمت کا حکم دیا۔

۶۔ تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کی ممانعت کر دی۔

۷۔ ام ولد (باندی) کے بیع کی ممانعت کر دی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی بیع ہوتی تھی۔

۸۔ حلالہ کرنے والے اور کرانے والے کے لیے سنگساری کی سزا تجویز کی تا کہ اس قبیح فعل کی حوصلہ شکنی ہو۔

۹۔ تعزیری سزا حدود کی حد تک دی بالخصوص جب ایک شخص نے بیت المال کی مہر بنوا لی تھی۔

۱۰۔ غیر مسلموں کو حکومت میں شریک و دخیل بنایا کیونکہ انہوں نے ظلم وستم کی راہیں چھوڑ دی تھیں۔

۱۱۔ افسران کے اموال کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ آج کل اثاثہ جات کے اعلان کا طریقہ اسی حکم سے ماخوذ لگتا ہے۔

۱۲۔ جس درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی اسے کاٹنے کا حکم دیا' کیونکہ لوگ بھی اس درخت کے نیچے جا کر نماز ادا کرتے تھے اور اس سے فتنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

۱۳۔ خراج کا نظام قائم کیا حالانکہ اس سے قبل اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ علامہ ماوردیؒ کہتے ہیں کہ خراج کے نظم میں زیادہ تر استفادہ ایران سے کیا گیا تھا۔(۴۴)

۱۴۔ ایک قتل میں جماعت کے قتل کا حکم دیا۔

۱۵۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا' اس کے بعد قواعد عدالت طے کیے' قاضیوں کے انتخاب کے طریقے وضع کیے اور انہیں خاص ہدایات دیں۔

۱۶۔ جبری تعلیم کا طریقہ مقرر کیا۔

۱۷۔ سنہ ہجری مقرر کیا حالانکہ اس سے پہلے مہینوں کی تاریخ لکھنے کا رواج تھا' سال کا نہ تھا۔

۱۸۔ حضرت معاویہؓ کو حکومت کی شان و شوکت برقرار رکھنے کی اجازت دی۔

۱۹۔ چنگی کا نظام قائم کیا۔ نیز دریا کی پیداوار پر ٹیکس لگایا۔

۲۰۔ حکومتی افراد کے ساتھ ترجیحی سلوک روا نہ رکھا۔

۲۱۔ حکومتی طبقہ کے لیے متوسط درجہ کی زندگی کا معیار پیش کیا۔

۲۲۔ ناجائز بچے کی پرورش کا بندوبست کیا۔

۲۳۔ مستقل ذریعۂ آمدنی بنانے کا حکم دیا تاکہ حالات کی تبدیلی سے اخلاق و کردار متاثر نہ ہوں۔

۲۴۔ کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت دی۔

۲۵۔ قحط سالی کے زمانے میں چور کے ہاتھ کاٹ دینے کی سزا منسوخ کر دی تھی اور فرمایا تھا ''لاتقطع الایدی فی عذق و لا عام سنة''(۴۵) یعنی قحط اور خشک سالی کے زمانے میں یا معمولی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

دیگر صحابہ کرامؓ کی مثالیں بھی ملتی ہیں جنھوں نے احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلے کیے مثلاً جنگ قادسیہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کا ابو محجن ثقفی کو شربِ خمر پر معاف کر دینا وغیرہ وغیرہ۔(۴۶)

معاشرہ سے مثالیں

قرآن کے طریقِ نزول، طریقِ نفاذ اور قرآن سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت دیتے ہوئے عملی زندگی میں جہاں جہاں ان مثالوں سے رہنمائی ملتی ہے ان کی جانب اشارات کیے گئے ہیں۔ نیز سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہؓ سے بھی مثالیں حسب موقع دی گئی ہیں۔ ان تمام تر مثالوں یا مثالوں کے اس ذخیرہ کو ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں میں حسب حالات و زمانہ روبہ عمل لا سکتے ہیں۔ نیز جہاں جہاں اور جیسے جیسے ہمیں احکام شریعہ کو جاری کرنے کا موقع ملے ان مثالوں کے علاوہ دیگر اسلامی مثالوں اور حقائق کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے بہ کمال حزم و احتیاط حسب منشاء قرآن اور سنت و تعامل صحابہؓ قانون سازی کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اولین چیز جس کی ضرورت ہے وہ ہے مزاج شریعت کی معرفت(۴۷)، جسے حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی تعلیم میں غور و فکر اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تدبر کی ضرورت ہے۔

قانونِ اسلام میں تجدید کی ضرورت

اسلامی قانون کوئی ساکن و جامد چیز نہیں ہے جس کا چلن ایک خاص زمانہ تک ہو اور زمانہ و

حالات بدل جانے پر اس کا قابل عمل ہونا مشکوک ہو گیا ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے ہدایات دی ہیں، اگرچہ یہ ہدایات ایک خاص زمانہ اور خاص حالات میں دی گئی تھیں اور ان کو ایک خاص سوسائٹی کے اندر نافذ کیا گیا تھا، لیکن ان کے الفاظ سے اور ان طریقوں سے جو آپ ﷺ نے ان کو عملی جامہ پہنانے میں اختیار فرمائے تھے قانون کے چند اہم، وسیع اور ہمہ گیر اصول نکلتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر حالت میں انسانی سوسائٹی کی عادلانہ تنظیم کے لیے یکساں مفید اور قابل عمل ہیں۔ اب زمانے کے مجتہدین کا کام ہے کہ عملی زندگی میں جیسے جیسے حالات و حوادث پیش آتے جائیں ان کے لیے شریعت کے اصول سے احکام نکالتے جائیں اور معاملاتِ زندگی میں ان کو نافذ کریں۔

سیاسی معاملات میں رہنمائی

قحط کے زمانے میں چور کا ہاتھ نہ کاٹنا نیز حضرت عمرؓ کا حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے ساتھ سلوک کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلے بظاہر نصوص سے ہم آہنگ نہیں ہیں لیکن شریعت کی روح کے عین مطابق ہیں۔ اگر شارع کے جملہ احکام پر نظر ڈالی جائے اور ان میں غور و فکر کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ ان سے شارع کا مقصد کیا ہے، نیز اسلامی زندگی کی وسیع تر اسکیم میں اس شعبۂ خاص کا کیا مقام ہے اور اس مقام کی مناسبت سے اس شعبہ میں شارع نے کیا حکمت عملی اختیار کی ہے، ان تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لینے کے بعد بآسانی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مختلف سیاسی و سماجی مسائل میں اسلام کے اصول و احکام کی ہدایت کیا ہو سکتی ہے۔

مثلاً اسلام میں کوئی طرزِ حکومت طے شدہ نہیں ہے۔ مشاورت، عدل و انصاف اور مساوات کے اصول دیے گئے ہیں اور اس طرح یہ آزادی دی گئی ہے کہ ہم اسلام کے مختلف سیاسی پہلوؤں کا مطالعہ کر کے حسب احوال ان کو اپنے ملک و قوم پر نافذ کریں۔

قوانین جنگ و صلح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے جنگ و صلح کے بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں جنہیں ہم آج کے حالات کی مناسبت سے اپنے اپنے ہاں نافذ کر سکتے ہیں۔ مثالیں ہمارے سامنے ہیں مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ جنگ کے دوران میں کسی مسلمان پر حد نافذ نہ کی جائے اور جنگ قادسیہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا ابو محجن ثقفی کو شرابِ خمر پر معاف کر دینا ہمارے لیے فکر و تدبر کے بہت سے دریچے کھولتا ہے۔

عقوبات کے نفاذ میں مصالح کا لحاظ

اسلام میں حد کے نفاذ کو ایک خاص مقام حاصل ہے لیکن بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں معمولی ثبوت کی کمی کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، جس کی عدم موجودگی میں دوسری سزا (تعزیر) دی جا سکتی ہے۔ تعزیر میں حکومت کے اختیارات وسیع ہیں۔ لیکن جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرات حد و سزا کے نفاذ میں حریص نہیں تھے بلکہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح حد ٹل جائے۔ کیونکہ اسلام آسانی پیدا کرتا ہے سختی نہیں، خوشخبری دیتا ہے اور ڈرانے کو دوسرے مرحلہ کے لیے اٹھا رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے طرزِ حکومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزا میں کمی بیشی کی ہے اور اس طرح کرنے میں شریعت کے مصالح کا لحاظ رکھا ہے۔

خلاصۂ کلام:

شارع کے اصولِ تشریع اور طرزِ قانون سازی کو سمجھنے کے لیے تفکر و تدبر کی ضرورت ہے اور اس کے لیے نصوص قرآنی کی لفظی و معنوی دلالت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کی حکمتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اس علم اور تفقہ سے بہرہ ور ہو وہ موقع و محل کے لحاظ سے احکام میں جزوی تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے اور جن معاملات کے حق میں نصوص نہ ہوں ان کے لیے نئے احکام بھی وضع کر سکتا ہے کیونکہ ایسا شخص اجتہاد میں جو طریقہ استعمال کرے گا وہ اسلام کے اصولِ تشریع سے مختلف نہیں ہو گا۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم آیا ہے مگر اجتہاد سے کام لے کر صحابہؓ نے اس حکم کو عجم کے مجوسیوں، ہندوستان کے بت پرستوں اور افریقہ کے بربری باشندوں پر بھی وسیع کر دیا۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ کے عہد میں جب ممالک فتح ہوئے تو غیر اقوام کے ساتھ بکثرت ایسے معاملات پیش آئے جن کے متعلق کتاب و سنت نے صریح احکام نہیں دیے تھے مگر صحابہ کرامؓ نے خود ہی ان کے لیے قانون مدون کیے جو اسلامی شریعت کی اصل روح اور اس کے اصولوں سے پوری پوری مطابقت رکھتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ اسلام میں تحقیق کے اصول و مبادی صفحہ ۶۴/ از ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی' مطبوعہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۷ء

۲۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت صفحہ ۱۹۔۲۰/ از مولانا محمد تقی امینی شائع کردہ ساگر اکادمی، لاہور ۱۹۸۲ء

۳۔ ایضاً از مولانا محمد تقی امینی صفحہ ۲۰

۴۔ بخاری جلد ۲ باب تالیف القرآن

۵۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از مولانا محمد تقی امینی ص ۲۹

۶۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از مولانا محمد تقی امینی ص ۳۳

۷۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ /عبدالرحمٰن الجزیری، ج ۳، ص ۱۷

۸۔ سورۃ الحدید آیت ۷

۹۔ سورۃ الحشر آیت ۷

۱۰۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۱۹

۱۱۔ سورۃ النساء آیت ۵۸

۱۲۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸

۱۳۔ سورۃ الحجر آیت ۲۰

۱۴۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۹

۱۵۔ سورۃ الحجر آیت ۲۰

۱۶۔ سورۃ ہود آیت ۶

۱۷۔ سورۃ الحج آیت ۳۹

۱۸۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۹۱

۱۹۔ سورۃ النور آیت ۵۵

۲۰۔ امام ابویوسف کتاب الخراج ص ۵۹۔۶۰

۲۱۔ سورۃ ال عمران آیت ۱۰۴

۲۲۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الحدود، سنن البیہقی الکبریٰ ۴۲۶/۴

۲۳۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت ص ۷۵' مولانا محمد تقی امینی

۲۴۔ الدستور القرآنی ص ۲۲۲

۲۵۔ سورۃ الانعام آیت ۱۰۸

۲۶۔ سورہ النور آیت ۳۱

۲۷۔ سورۃ النور آیت ۵۸

۲۸۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۴

۲۹۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۴۴

۳۰۔ نسائی جلد ۲ کتاب آداب القضاء
۳۱۔ مسلم جلد ۲' کتاب القسامہ ص ۵۷
۳۲۔ محمد تقی امینی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت صفحہ ۱۳۴
۳۳۔ ایضاً ص ۱۳۵۔
۳۴۔ مسلم کتاب الاضحیہ
۳۵۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج ۳ ص ۱۳۸/ از علامہ ابن قیمؒ الجوزیہ
۳۶۔ بخاری' کتاب الامارہ و القضاء
۳۷۔ اعلام الموقعین جلد ۳ از علامہ ابن قیمؒ
۳۸۔ اعلام الموقعین جلد ۳ از علامہ ابن قیمؒ
۳۹۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از مولانا محمد تقی امینی صفحہ ۱۴۷
۴۰۔ ایضاً صفحہ نمبر ۱۹۰
۴۱۔ ابوبکر جصاص' احکام القرآن جلد ۲ ص ۳۲۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۲۴۵ھ
۴۲۔ ابو داؤد و مشکوٰۃ باب حد الخمر
۴۳۔ مسلم' کتاب طلاق
۴۴۔ دیکھئے الاحکام السلطانیہ للماوردی ۱/۴۹۹
۴۵۔ اعلام الموقعین جلد سوم/علامہ ابن قیمؒ
۴۶۔ مصنف عبدالرزاق: عبدالرزاق الصنعانی ۹/۲۴۳، حدیث نمبر ۱۷۰۷۷
۴۷۔ ایضاً

☆☆☆☆☆